بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

سورۃ البقرۃ (آیت: 3)

درس قرانِ حکیم

مفکر قرآن علامہ غلام احمد پرویزؒ

عزیزانِ من! آج جون 1968 کی 2 تاریخ ہے اور ہم اپنے درسِ قرآنِ کریم کے نئے سلسلہ میں سورۃ البقرۃ کی ابتدائی آیات سے گزر رہے ہیں۔

خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں بندۂ مسلم کی ایک شدتِ آرزو کا اظہار اور اس کا جواب

سورۃ الفاتحہ میں ایک شدید آرزو تڑپ کر ان الفاظ کے ساتھ لبوں پہ آگئی تھی کہ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ (1:5) ہمیں سفر زندگی میں اس راستے کی طرف راہنمائی ملے جو سیدھا اور ہموار ہے۔ یہ آرزو زبان پہ آئی تو اس کا جواب دیا کہ تم یہ راہنمائی مانگتے تھے تو سنو! ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَا رَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ (2:2) یہ ضابطہ ہدایت ہے جس کے اندر وہ راہنمائی ہے جس کی طلب اور تڑپ تمہارے دل میں پیدا ہوئی ہے۔ اِدھر سے دعا آپ کے لب پہ آئی اور اُدھر سے اُسے شرفِ قبولیت حاصل ہو گیا۔ تم یہ چاہتے تھے' یہ لیجیے لیکن کہا کہ راہنمائی کی تو ضرورت اُسے ہی ہوتی ہے جو راستہ چلنا چاہے' جو گھر میں بیٹھا رہنا چاہے اُسے تو راستے کی راہنمائی کی ضرورت ہوتی ہی نہیں ہے۔ پہلی شرط تو یہ ہے کہ تم چلنا چاہتے ہو اور دوسری شرط یہ ہوتی ہے کہ جب کبھی بھی تم کسی سے راستے کی بابت پوچھو تو پہلے یہ کہنا پڑتا ہے کہ بھئی! مجھے شاہ عالمی جانا ہے' کون سا راستہ اُس طرف جائے گا؟ آپ کو پہلے اپنی منزل کا تعین کرنا ہو گا کہ آپ نے جانا کہاں ہے۔ جب منزل کا تعین ہو گا تو پھر راستے کی راہنمائی کا سوال پیدا ہو گا۔ آوارگی میں تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اس کے لیے دو شرطیں ہو گئیں: ایک تو یہ کہ چلنا چاہے اور اس کے بعد پھر متعین منزل پر پہنچنا چاہے۔ دوسرا یہ کہ اس کے ساتھ اس راہنمائی کی ایک بنیادی ضرورت یہ بھی ہے کہ راستہ بے خطر ہو' سیدھا ہو' ہموار ہو۔ لہٰذا قدم اٹھانے سے پہلے ضروری ہے کہ آپ کو اس کا یقین ہو جائے کہ جس راستے پہ میں گامزن ہوں وہ ان شرائط کو پورا کرتا ہے اور اس طرح میں منزل مقصود تک پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ یہ کہا کہ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ (2:3) یہ وہ لوگ ہیں جو قدم اٹھانے سے پہلے اس کا یقین کر لیتے ہیں کہ راستہ صحیح ہے۔

مذہبی تعلیم کا انحصار عقل و فکر کے تحت ایمان کے بالمقابل Faith (عقیدہ) پر ہوتا ہے

میں نے پچھلی دفعہ عرض کیا تھا کہ دین جب مذہب کی سطح پر آتا ہے تو اس کی بنیادی چیز یہ ہوتی ہے کہ الفاظ اور اصطلاحات تو اس کی وہی رہتی ہیں لیکن اُن کا مفہوم بدلتا ہے اور یہ بدلا ہوا جو مفہوم ہے' اس کے مطابق اس کا ترجمہ ہو جاتا ہے۔ اب جو اس ترجمے سے اُس اصل کو ہم سمجھنا چاہتے ہیں تو وہ کبھی بھی ہم نہیں سمجھ سکتے۔ وہ ترجمہ تو کسی بدلے ہوئے مفہوم کا ہوتا ہے۔ ایمان کا ترجمہ' آپ کے ہاں تو اس کو ایمان ہی رکھا گیا' انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ Faith ہوا جب کہ Faith کے متعلق ایک تصور ہے اور وہ یہ ہے کہ Faith کے بالمقابل Reason (عقل و فکر) آتا ہے۔ Faith اور عقل و فکر باہمی طور پر ایک دوسرے کے اندر متضاد کیفیات

لیے ہوئے ہیں یعنی جہاں Faith ہو گا' اس میں Reason کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اب ایمان کا ترجمہ Faith کیا تو ذہن میں چلتے ہی پہلی یہ بات آ گئی کہ عقل و فکر کے دیئے تو گل کرو اور پھر ان تاریکیوں کے اندر قدم اٹھاؤ۔ یہاں اُس نے کہا یہ تھا کہ ایمان وہ ہے جو تمہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے آئے گا۔ یہ ایمان وہ ہوا جو پہلے سے ہی تھوڑی بہت عقل و فکر کی روشنی پاس تھی اُسے بھی ہم نے پھونک مار کر بجھا دیا اور تاریکیوں میں ہی راستوں پہ چلے اور اس کا نام ہم نے ایمان رکھ لیا۔ ایمان کا ترجمہ Faith ہے ہی نہیں۔ یہ علم و بصیرت کی بنا پر' دلیل اور برہان کی رو سے' دل اور دماغ کے پورے اطمینان کے بعد' کسی صداقت کو صحیح تسلیم کرنے کا نام ہے۔ جو لفظ بھی اس کے لیے آپ موزوں سمجھتے ہیں رکھ لیجیے لیکن اس میں یہ مفہوم ہونا چاہیے۔ انگریزی کا لفظ Conviction کسی حد تک اس کو پورا کرتا ہے گو کہ بات وہ بھی ایسی نہیں۔ Conviction بھی ایک انتہائی درجے کی Conviction ہونی چاہیے جو عقل و فکر و بصیرت و دلیل' Reason کے ہر معیار کے اوپر پوری اترے اور اس طرح آپ کو اتنا کامل یقین ہو کہ وہ آپ کا یقینِ کامل کہیں بھی Fake (جعلی اور بناوٹی) نہ ہو تو یہ ہو گا جسے قرآنِ کریم نے الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ (2:3) کہا ہے۔

مذہب اور دین میں لفظ غیب کے تصور میں پایا جانے والا فرق

ایمان ہی کا ترجمہ ہمارے ہاں Faith ہوا تو اس کے ساتھ غیب کا ایک اور لفظ آ گیا۔ قرآن نے کہا ہے کہ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (2:3) ۔ اب جونہی غیب کا یہ لفظ ہمارے سامنے آیا تو ذہن میں دیا ہوا ایسا ایک تصور ہے کہ غیب کہتے ہی اس طرح ماننے کو ہیں جس میں عقل و فکر کا کوئی دخل ہی نہ ہو یعنی اَن دیکھی حقیقتوں کو ماننا۔ آپ دیکھیے گا کہ ایمان بالغیب ہم روز بولتے ہیں اور اس کے معنٰی یہ ہوتے ہیں کہ بھئی! اسے تو بس مان لینا ہے' بات یہ ہے کہ اسے مان لینا ہے۔ یہ بات نہیں ہے۔ قرآنِ کریم نے تو غیب کے بالمقابل ایک لفظ لا کر خود واضح کر دیا کہ غیب کسے کہتے ہیں۔ قرآن کا انداز یہ ہے کہ وہ ہمیشہ بالمقابل اس کی ضد کا' ایک لفظ لاتا ہے اور اُس سے اس کے معنی واضح ہو جاتے ہیں۔ قرآن کے اندر خدا کے متعلق ہے کہ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ (6:13) وہ غیب اور شہادت دونوں کا علم رکھتا ہے تو گویا غیب وہ ہے جو نامشہود ہو۔ یہ جسے میں نے شہادت اور مشہود کہا ہے' کیا ہے؟ جتنی چیزیں آپ کے Sense Perception (ادراک بالحواس) میں آ جاتی ہیں یعنی حواس کے ذریعے جن کا علم ہو سکتا ہے' اُسے مشہود کہتے ہیں اور یہ جو علم حاصل کرنے کا طریقہ ہے' اسے شہادت کہتے ہیں۔

علم و شعور کی وسعتیں غیب کو بتدریج مشہود کی منزل سے ہم کنار کر دیتی ہیں

قرآن نے یہ بتایا ہے کہ ایک تو عالمِ مشہود ہے۔ یہ وہ کائنات ہے جس کا علم حواس کے ذریعے سے' Sense Perception (ادراک بالحواس) کے ذریعے سے' تمہیں حاصل ہو سکتا ہے لیکن ایسی حقیقتیں بھی ہیں جو تمہارے حواس کی زد میں نہیں آتیں۔ یاد رکھیے! عربوں کے ہاں "غیب اُسی چیز کے لیے بولا جاتا ہے جو کہیں موجود تو ہو لیکن ابھی مشہود نہ ہوا ہو' جو موجود ہی کہیں نہ ہو اس کے لیے وہ غیب کا لفظ بولتے ہی نہیں ہیں"۔ اب سوال یہ ہے کہ غیب کیا ہو گا؟ ایک تو غیب کی کیفیت یہ ہو گی کہ وہ انسانی علم کی کسی سطح کے اوپر غیب ہو' حواس کی زد میں نہ آیا ہوا ہو لیکن ذرا آگے بڑھنے کے بعد وہی چیزیں Sense Perception (ادراک بالحواس) کے اندر آ جائیں۔ جب وہ یوں آ جائیں گی تو غیب نہیں رہیں گی' وہ شہادت ہو جائیں گی۔ کائنات کی سینکڑوں قوتیں' عناصر ایک دوسرے کے اندر غیب میں ہوتے ہیں' دوسرے ہی دور کے اندر Scientific Discoveries (سائنسی انکشافات) ان کو مشہود بنا کر ہمارے سامنے لے آتی ہیں۔ اس لیے ایک غیب تو یہ ہوا جو علم کی کسی سطح کے اوپر' تاریخ کے کسی دور میں' غیب کی شق میں تھا اور اس کے بعد علم انسانی آگے بڑھتا گیا تو وہ غیب مشہود ہوتا چلا گیا۔ آج کائنات کی کتنی ایسی قوتیں مشہود ہو چکی ہیں جو اس سے پیشتر ہمارے ہاں غیب تھیں۔ آپ کے ہاں یہ ریڈیو اور ٹی وی کی چیزیں دیکھیے' لہری تابناکیاں دیکھیے' جن کے ذریعے سے

اب آسمانوں پہ پہنچا جارہا ہے۔ یہ ساری قوتیں اسی کائنات کے اندر موجود تھیں' عربوں کی Definition کے مطابق وہ تمام موجود تھیں لیکن علم انسانی کی کوتاہ دامن کی وجہ سے مشہود نہیں ہوئی تھیں۔ اب یہ آہستہ آہستہ مشہود ہوتی چلی جارہی ہیں۔ ایک تو یہ چیز ہوئی۔ کہا یہ گیا ہے کہ یہی چیز نہ سمجھو کہ جو چیز تم حواس کے ذریعے سے معلوم کرو' کہو کہ یہی ہے' اس کے علاوہ کچھ اور ہے ہی نہیں۔ آپ نے دیکھا کہ قرآنِ کریم نے عالم الغیب والشھادۃ کہہ کر اس کائنات کی وسعتوں کو کتنا بڑھا دیا ہے۔ یہی نہیں کہ کسی ایک زمانے میں علم کی کسی ایک سطح کے اوپر انسان کے ذہن کی تنگ ناؤ میں جتنی چیز آگئی' اس نے کہا کہ سارا کارگہہِ کائنات ہی یہی ہے۔ یہ تو کنویں کے مینڈک کی سی چیز ہے اور جب آپ اس چیز کو دین سمجھ لیں' اس کے ساتھ کوئی تقدس بھی اٹیچ (شامل) ہو جائے تو پھر اس چیز کو اکبر الہ آبادی (1846-1921ء) نے یوں کہا تھا کہ

چاہِ زم زم کے آپ مینڈک ہیں

یہ تو گویا آپ مقدس کنویں کے مینڈک ہیں۔

فکرِ انسانی کسی شکل میں بھی لامحدودیت کا درجہ حاصل نہیں کر سکتا

کائنات بڑی وسیع ہے' ایک زمانے میں علم کی ایک سطح پر جو چیزیں غیب ہیں' دوسرے وقت میں وہ مشہود ہو جاتی ہیں لیکن بعض چیزیں ایسی بھی ہیں جو انسان کی اس فزیکل زندگی میں غیب ہی رہتی ہیں' مشہود نہیں ہو سکتیں مثلاً خدا کی ذات۔ ذاتِ خداوندی کیا ہے؟ یہ چیز حواس (Senses) کی زد میں نہیں آسکتی۔ اس کے متعلق میں اس سے پہلے بھی کئی دفعہ کہہ چکا ہوں کہ یہ بات ذرا فلسفے کے دائرے میں چلی جاتی ہے اور اس قسم کی مجلس کے اندر تو اس قسم کی فنی گفتگو نہیں کی جاسکتی۔ دو لفظوں میں سمجھ لیجیے کہ جو Infinite ہو یعنی لامحدود ہو' وہ محدود یا Finite کے اندر نہیں آسکتا' ہمارا ذہن اس چیز کو تسلیم ہی نہیں کر سکتا۔ جب ہم کہیں کہ وقت لامنتہی ہے یعنی کہیں سے وقت شروع نہیں ہوا تھا تو یہ ہمارے ذہن میں بھی نہیں آسکتا۔ یا اگر ہم یہ کہہ دیں کہ کائنات کی کوئی آخری حد نہیں ہے تو یہ ذہن میں آ ہی نہیں سکتا' جو جی میں آئے کر لیجیے۔ Imagination (تخیلات) اور فکر کی دنیا کو کتنا ہی Concentrate (مرتکز) کر لیجیے ذہن کسی نقطے پہ جا کر ضرور کھڑا ہو جائے گا' اس لیے کہ ہمارا ذہن محدود ہے۔ جو لامحدودیت ہے' وہ ہمارے ذہن میں نہیں آسکتی۔ اس لیے یہ جو چیزیں ہوں گی یہ تو غیب کی دنیا کے اندر رہیں گی۔

کیا ایسا علمِ غیب جس تک انسانی عقل کی رسائی ممکن ہی نہیں' ایمان کے خلاف ہے؟

سوال یہ ہے کہ یہ جو عالمِ غیب ہے' جو Perception میں' حواس کے اندر' نہیں آتا تو کیا اس کے اوپر ایمان اس طرح سے کہا گیا ہے کہ سوچنا نہیں' فکر نہیں کرنا' غور نہیں کرنا' ایسا ہی مانتے چلے جانا۔ یہی ایک ایسی Possible (ممکن) شق ہو سکتی ہے جس کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ صاحب! یہ وہ مقام ہے جہاں پھر غور و فکر نہیں ہو سکتا۔ یہ قرآن ہے' برادرانِ عزیز! جب اس نے ایمان کی Definition یہ دی ہے کہ وہ غور اور فکر اور عقل و بصیرت اور دلیل و برہان کی بنا پر کسی چیز کو سچ ماننے کا نام ہے' تو ہو نہیں سکتا کہ ایمان کے اندر وہ کوئی ایسی شق لے آئے جس کے متعلق کہے کہ اسے تمہیں غور و فکر کے بغیر ماننا ہو گا۔ یہ ایمان کی Definition (تعریف) کے خلاف چلا جائے گا۔

قرآنِ حکیم فکر و عمل کی بنیاد پر حواس سے بالاتر چیزوں کو تسلیم ہی نہیں کرواتا

کسی شے کا Senses(حواس) کی حد کے اندر نہ آنا اور بات ہے اور اس چیز کے متعلق بغیر غور و فکر کے ایمان لانا' دوسری چیز ہے۔ ہزاروں چیزیں ایسی ہیں جو Senses(حواس) کی حد میں نہیں آتیں لیکن غور اور فکر کے ذریعے سے انسان تسلیم کرتا ہے کہ ہاں وہ حقیقت ہے جیسے اس کائنات کے متعلق جتنی چیزیں Created(بنائی ہوئی) ہیں' ان کے متعلق عقل اور فہم' Logic (منطق) کے جو آپ کے ہاں قوانین ہیں' وہ یہ کہتے ہیں کہ مشہود پیدا کی ہوئی یہ چیز' آپ کے سامنے دیدی تو اُس کا جو بنانے والا ہے' جو خالق ہے' وہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ وہ خالق آج کے حواس (Senses) کی زد میں آئے یا نہ آئے' فکر کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اُس کو تسلیم کریں۔ اس لیے جو چیزیں انسان کے حواس (Senses) میں نہیں آسکتیں' قرآن انہیں بھی بغیر فکر اور علم کے ماننے کا تقاضا نہیں کرتا۔ اس کے لیے قرآن کی سند ملاحظہ فرماؤ۔ اس عالم غیب میں' مرنے کے بعد کی زندگی' میں سمجھتا ہوں کہ سرفہرست آتی ہے۔ خدا کے متعلق تو پھر بھی یہ جو اتنی کائنات ہے اس میں سے Logically(منطقی طور پر) آدمی اس نتیجے پہ پہنچ ہی جاتا ہے کہ یہ سلسلہ کائنات' جو اس قدر حسن اسلوبی سے چل رہا ہے' اس کے پیچھے کوئی قوت ہے جو اسے چلا رہی ہے لیکن مرنے کے بعد کی زندگی کے متعلق تو یہ چیز ایسے ہی نہیں آسکتی۔ اسی لیے میں نے کہا ہے کہ غیب پر ایمان کی شقوں میں مرنے کے بعد کی جو زندگی ہے' یہ ایسی نظر آتی ہے کہ صاحب! یہ تو انسان کے غور اور فکر کی حد سے باہر کی ہے لہٰذا اسے تو یونہی ماننا پڑے گا' قرآن یہ نہیں کہتا۔ یہ بڑی ہی لطیف چیز ہے اور یہیں سے تو قرآن کی عظمت سامنے آتی ہے۔ ایک ایسی حقیقت جس کے متعلق ہر شخص یہ کہے کہ یہاں تو انسانی فکر کا کوئی مقام نہیں' یہ تو اس کی سرحد سے باہر ہے' سنیے! قرآن کہتا ہے کہ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ o فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ (2:219-220) اس طرح سے خدا اپنے قوانین کو واضح کر کے تمہارے سامنے پیش کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے اندر فکر سے کام لے سکو۔

حق تک پہنچنے کے لیے غیر مبہم علامات پر غور و فکر

سنتے ہیں آپ' عزیزانِ من! قرآن کہاں لے جاتا ہے! خدا کے متعلق غور و فکر سے تو سارا قرآن بھرا پڑا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ حیاتِ آخرت کے متعلق' مرنے کے بعد کی زندگی کے متعلق' جو یقیناً سرحدِ ادراکِ انسانی سے بہت بہت ماوراء چیز ہے' قرآن کہتا ہے کہ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمْ (2:219) یہ جو آیات ہیں' نشانیاں ہیں' نامحسوس اور نامشہود کے لیے تو کچھ علامات ہی دی جائیں گی' یہ علامات ہیں' ہم نے ان کو مبہم نہیں رکھا' یُبَیِّنُ اللّٰہُ (2:219) ہم تمہارے سامنے اس چیز کی نہایت واضح آیات' علامات' نشانیاں لے آئے ہیں' تاکہ تم لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ o فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ (2:219-220) اس حیاتِ دنیاوی اور آخرت کے متعلق غور و فکر سے کام لے سکو۔ لہٰذا یہ جو غیب ہے جو انسان کی سرحد ادراک میں Senses Perception (ادراک بالحواس) میں' آ ہی نہیں سکتا' اس پر بھی ایمان بغیر غور و فکر کے نہیں لایا جائے گا۔

فکری طور پر غیب پر ایمان کے سلسلہ میں ایک تیسری چیز

اب آپ نے دیکھا کہ یومنون کے اندر ہی جو ایمان لانے کی چیز تھی' وہی غور و فکر کے لیے کچھ کم نہیں تھی یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (2:3) کے اندر یہ چیز دینا کہ وہ چیزیں جو انتہائی غیب کے اندر ہیں' جو کبھی بھی مشہود نہیں ہو سکیں گی' ان پر بھی ایمان غور اور فکر کے بعد لایا جائے گا' ایسے نہیں تسلیم کیا جائے گا' ایک بڑی اہم چیز ہے۔ اور قرآن نے خود ہی یہ دلائل بھی اپنے ہاں دیئے ہوئے ہیں۔ جب ہم وہاں آگے جائیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ حیاتِ اخروی کے متعلق اتنے دلائل قرآن نے

دیئے ہیں' اس کے بعد فکری دلائل ہیں۔ کسی کے سامنے مردہ زندہ اٹھ کر تو کھڑا نہیں ہو جائے گا' نہ ہی کوئی یہاں سے وہاں جا کر دیکھ دکھا کر واپس آئے گا کہ ہاں صاحب! میں دیکھ آیا ہوں کہ وہ وہاں زندہ ہے' یوں تو نہیں' فکری دلائل ہی دیئے جائیں گے۔ اسی لیے لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ(2:219) کہا ہے کہ فکری طور پر تم اس کو تسلیم کرو کہ یہ حقیقت ہے۔ اب یہاں یہ ایک تیسری چیز ہے جو غیب میں آتی ہے۔ ہمارے ہاں کسان دیسی گندم بوتا چلا آرہا تھا' بڑی سے بڑی محنت ہوتی تھی۔ ہمارے ہاں تو کسی نے بیس من! ایک ایکڑ میں سے نکال لیا پچیس من ایک ایکڑ میں سے نکال لیا۔ دوبرس☆(1) اُدھر' محکمہ زراعت نے کہنا شروع کیا کہ ہم ایک بیج لائے ہیں' تم اسے بوؤ گے تو سو من ایکڑ میں سے نکلے گی۔ کہا کہ لو! سو من نکلیں گے ایک ایکڑ سے!! مت ماری گئی پاگل کی' کہتا ہے کہ سو من ایک ایکڑ سے نکلے گا۔ او جامیاں ہوش کی دوا لو۔ اب وہ بیچارے محکمہ زراعت والے آرہے ہیں' سمجھا رہے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ کیا کہہ رہے ہو! ہم سال ہا سال سے یہ بوتے چلے آرہے ہیں۔ وہ تو جب آدم کا نام آتا ہے تو گندم کا نام ساتھ ہی آجاتا ہے۔ کسی نے کہیں بہت بہت تیر مارا پچیس سے تیس من فی ایکڑ کر لیا۔ سو من؟ انہوں نے کہا کہ سو نہیں' سوا سو اسو من بھی! کہنے لگے کہ مذاق کیا ہے آپ نے۔ کہیں نہ کہیں انہوں نے اپنے ہاں گورنمنٹ ایگریکلچر فارم بنا لیے۔ اس میں انہوں نے اس بیج کو بو دیا اور جب وہ فصل کٹی ہے تو اس کے بعد جب ان کسانوں نے دیکھا تو فی الواقع اس میں سے سو من فی ایکڑ نکلا۔ اس کی کیفیت اگلے سال کے لیے یہ تھی کہ وہ بیج ملتا نہیں تھا' یہ کسان بھاگے بھاگے پھر رہے تھے۔ اب سوال یہ ہے کہ پہلے سال یہ کیوں نہیں مان رہے تھے؟ کہ انہوں نے محکمہ زراعت کے اس دعوے کو مشہود طور پر اپنے سامنے نہیں دیکھا تھا' اس وقت وہ غیب تھا اور ایک ہی سال کے بعد جب وہ غیب اپنے محسوس نتائج سامنے لے آیا تو ہر ایک اس کے اوپر ایمان لے آیا۔ یہ جو میں نے مثال دی ہے یہ تو ایک ایسی طبعی مثال ہے جس کے نتائج چھ مہینے کے اندر سامنے آگئے۔

نظام کی تبدیلی سے نتائج کی تبدیلی ہوتی ہے

انسان کی معاشرتی یا تمدنی زندگی کے اندر بھی اس قسم کا ایک نظام آتا ہے۔ آج ایک نظام رائج ہے۔ اب اور کوئی لفظ ہے نہیں' اس لیے بد نظمی ہی کہنا پڑتا ہے اور کیا کہا جائے!! اس نظام کے اندر کوئی چیز اپنے مقام پہ صحیح نہیں' ظاہر اَفسادفی البر والبحر ہے۔ اس میں بد عنوانیوں کا' قانون شکنیوں کا' بے ایمانیوں کا' بد دیانتیوں کا' ہاتھوں کے ہتھکنڈوں کا' دور دورہ ہے اور اس میں انسان سیکھتا ہے کہ شباشب کس طرح سے وہ Millionaire (کروڑ پتی) ہوتا چلا جائے۔ اس دور میں ایک شخص یہ کہتا ہے کہ نہیں بھئی! اگر تم ایمان داری اور دیانتداری سے اپنا معاشرہ قائم کرو تو تم دیکھو کہ اُس کے نتائج اس کے مقابلے میں کس طرح سے سو من فی ایکڑ کے حساب سے نکلتے ہیں تو ہر شخص ہنس دے گا' کہے گا کہ جاؤ میاں! ہم نے کر کے دیکھ لیا ہے' یہاں تو ایماندار کے لیے تباہی ہی تباہی ہے۔ کوئی تسلیم ہی نہیں کرتا کہ اس قسم کا حق پر مبنی نظام بھی اپنے خوش گوار نتائج نکال سکتا ہے۔ اس کے لیے پھر کیا کیا جائے؟ آپ بالآخر ان کو ذہنی جواب ہی دیں گے۔ عوام تو نہیں مانیں گے' وہ تو کہیں گے کہ محسوس شکل میں سامنے آئے تو پھر ہے۔ اب وہ آئے کیسے؟ یہ تو جب تک وہ نظام اس شکل کا قائم نہ ہو' وہ اپنے نتائج نکالے گا کیسے؟

ثمر بار نتائج حاصل کرنے کے لیے صحیح نظام کی تشکیل کی ضرورت ہے

اب ان کی شرط یہ ہے کہ پہلے نتائج نکالے' پھر ہم اُس کی صداقت کو تسلیم کریں گے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا لیکن اسی معاشرے کے اندر وہ لوگ نکلیں گے جو فکری طور پر' علمی طور پر' اس چیز کو محسوس کریں گے کہ بات یہ ٹھیک کہتا ہے۔ اس کے بعد کرنے کی بات کیا ہو گی؟ وہ یہ کہیں گے کہ جو کچھ بھی ہو آؤ' ہم اس پہ عمل کر کے دیکھیں۔ ان میں یہ ایک گروہ پیدا ہو گا' وہ گروہ اس نظام کے اُن نتائج کو جو اس وقت آپ کے سامنے مشہود نہیں ہیں' ان کی صداقتوں پر فکری طور پر ایمان لے آئے گا اور میں نے پچھلی دفعہ کہا تھا کہ مومن جب تک مسلم نہیں ہوتا' اُس وقت تک وہ نتیجہ پیدا نہیں ہوتا۔ ان صداقتوں پر یقین لے آئے گا اور پھر کیا

کرے گا؟ پھر اپنے ہاں اس قسم کے کام Establish (قائم) کرے گا۔ کسی محدود شکل میں ہی سہی' وہ ان Values (اقدار) کے مطابق ایک نظام قائم کریں گے' یہ جماعت بنائیں گے اور اُس کے بعد بڑی مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ ٹکراؤ' آپ دیکھتے ہیں کہ کن کے ساتھ ہو گا؟ وہی دنیا کے باطل نظام کے ساتھ ان کا ٹکراؤ ہو گا۔ وہ باطل کا نظام پوری کوشش کرے گا کہ اِن کو شکست دے۔ اس کے باوجود وہ استقامت سے' ثبات سے' اس کے اوپر چلتے جائیں گے۔ یہ کیوں چلتے جا رہے ہیں؟ انہیں اس چیز پر یقین ہے کہ جو نتیجہ آج محسوس طور پر سامنے نہیں ہے' یہ اقدار وہ نتائج نکال کر رہیں گی۔ یہ یقینی چیز ہے کہ یہ نکال کر رہیں گی۔ کسی نظام کے اُن نتائج پر یقین جو ابھی غیب میں ہیں' یہ بھی ایمان بالغیب کہلاتا ہے اور یہ جو السابقون الاولون ہوتے ہیں' یہ کسی نظام کے Pioneers (السابقون الاوّلون) ہوتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اس کی صداقت پر اس وقت ایمان لاتے ہیں' یقین رکھتے ہیں جب یہ اپنے نتائج ہنوز مشہود شکل میں سامنے نہیں لا رہا ہوتا اور اس جماعت کی موجودگی کے بغیر اس Process (طریق) پر عمل ہو ہی نہیں سکتا' وہ تو کچھ انسان ایسے چاہئیں اور یہ وہ انسان ہیں جنہیں اُس وقت کا باطل معاشرہ "سر پھرے اور مجنون" کہتا ہے۔

کسی نظام کے نتائج حاصل کرنے کے لیے مہلت کا وقفہ ضروری ہے

آپ کو پتہ ہے کہ ہر رسول کے متعلق یہ کہا گیا ہے کہ کل تک تو یہ بڑا سمجھ دار تھا' آج اسے کیا ہو گیا۔ وہ قومِ صالحؑ ان سے کہتی تھی کہ صالحؑ تم سے تو ہمیں بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ پاگلوں جیسی باتیں کرنے لگ گئے ہو۔ کسی نظام کی ابتدا کرنے کے لیے ایسے ہی لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بعد ایک مہلت کا وقفہ چاہیے کہ ہر بیج جو آپ بوئیں گے وہ بیج اپنے نتائج پیدا کرنے کے لیے ایک وقت لے گا۔ گندم بھی چھ مہینے لے لیتی ہے اور یہ جو انسانی ذہن کے اندر بیج بوئے جاتے ہیں یہ تو پتہ نہیں کتنا وقت لیں گے۔ اس کے لیے فریقِ مقابل کو ضرورت یہ ہو گی کہ ہم تم سے کچھ نہیں مانگتے' کہتے ہم یہ ہیں کہ اس نظام کے مطابق دل و جاں سے کام کرتے چلے جاؤ۔ یہ ہمارے نظام کی وہ اسٹیج تھی جب نبی اکرم ﷺ نے اس قسم کی ایک مختصر سی جماعت پیدا کر لی لیکن فریق مخالف اُس جماعت کو اتنی فرصت نہیں دیتا تھا' مہلت نہیں دیتا تھا' Opportunity (موقع) نہیں دیتا تھا کہ وہ اپنے نظام پر کاربند ہو کر اُس کے نتائج نکالیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا' خدا نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ ان سے کہہ دو کہ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ (39:39) اے میری قوم مخاطب! تم اپنے پروگرام پر عمل کرتے رہو' میں اس میں دخل نہیں دیتا' میں اس میں Interfere (مداخلت) نہیں کرتا۔ آپ دیکھ رہے ہیں' عزیزانِ من! یہ کیسا عمدہ ایک Pragmatic Process (استنتاجی طریق) ہے کہ اس کے نتائج اس دعوے کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچائیں۔ اس دوران میں' میں تمہارے معاملے میں Interfere (مداخلت) نہیں کرتا۔ اس نظام پہ تم عمل کرو' اپنے نظام کے اوپر مجھے عمل کرنے دو تو فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ (6:135)' نتائج خود بتا دیں گے کہ آخر الامر دنیا میں کامیابی کسے حاصل ہوتی ہے۔ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ (6:135) اس میں کوئی لمبا عرصہ نہیں لگے گا' بہت جلد تم دیکھ لو گے کہ انجامِ کار کس کے لیے ہوتا ہے اور تم دیکھ لو گے کہ آج جو کہا جاتا ہے کہ ظلم اور فریب کاری سے جو کچھ کوئی کماتا ہے' وہ کامیاب نہیں ہوتا' تو تم ہنس دیتے ہو کیونکہ تمہارے اس معاشرے میں تو کامیاب ہوتا ہی وہ ہے لیکن میرے اس پروگرام کے نتائج کو سامنے آنے دو' تم دیکھو گے کہ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (6:135) ظالم کی کھیتی نہیں پنپ سکتی۔ یہ تمہارے ناقص بیج کچھ نہیں اُگا سکیں گے۔

غیب پر ایمان کا ایک محسوس انداز

ایک یہ ہے غیب کے اوپر ایمان' برادرانِ عزیز! کسی نظام کے اَن دیکھے نتائج کے اوپر غور و فکر کے بعد اس کی صداقت پہ یقین کر کے اُسے عمل کے اندر لے آنا۔

جب اُس کے نتائج باہر آتے ہیں تو پھر یہ کیفیت ہوتی ہے کہ یَدۡخُلُوۡنَ فِیۡ دِیۡنِ اللّٰہِ اَفۡوَاجًا (110:2) گاؤں در گاؤں ' قریہ در قریہ ' کسان پھر اس بیج کو لینے کی طرف بھاگتا ہے۔ کہا ہے کہ اس نظام کے اندر فوج در فوج آئیں گے۔ اس نظام کے محسوس نتائج سامنے آنے دیجیے۔

ہماری تبلیغ بے نتیجہ کیوں ہے؟

دنیا میں ہم تبلیغ کرتے پھر رہے ہیں۔ اتنی ہی تبلیغ کسی سے کیجیے۔ اگر وہ صاحبِ فکر ہے تو وہ سب کچھ سننے کے بعد یہ کہے گا کہ یہ سب ٹھیک ہے جو آپ کہتے ہیں لیکن اگر آپ کے ہاں ایسا ہی نسخہ شفا ہے تو کیا وجہ ہے کہ مراکش سے لے کر انڈونیشیا تک آپ کی تمام کی تمام ' جتنی بھی یہ مسلمین کی جماعتیں ہیں ' سر سے پاؤں تک امراض کے اندر محصور ہیں۔ کسی ایک پھنسی کا علاج تو تم سے ہو نہیں سکتا اور ہمیں آکر کہتے ہو کہ ہم پورے کا پورا نسخۂ شفا اپنے سامنے رکھتے ہیں۔ نظام کے محسوس نتائج ' برادرانِ عزیز! وہ دلیلِ محکم ہے جو بڑے بڑوں کو بھی جھکا دیتی ہے۔ یہ ہے یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ (2:3) اور میں سمجھتا ہوں کہ اس مقام پہ جو قرآن نے کہا ہے کہ ھُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ oلا اَلَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ (2:2-3) یہ شروع کر رہا ہے اپنے اس نظام کو تو یہ کہہ رہا ہے کہ یہ کتاب ان کو رہنمائی دے گی ' جو اِس نظام کے ان دیکھے نتائج کی صداقت پر یقین رکھ کر پھر آمادۂ سفر ہوں گے ' پھر اپنی زندگی میں اس کے اوپر عمل پیرا ہوں گے اور آگے بڑھیں گے۔

کائناتی قانون کے سلسلہ میں علمِ غیب کا ماحصل

ایک غیب یہ ہے جو قانونِ کائنات کے غور و فکر کے بعد آپ پہلے سے کوئی چیز کہہ سکتے ہوں مثلاً جو فلکیات کا حساب جانتے ہیں ' وہ آج بیٹھ کر یہ بتا سکتے ہیں کہ سو سال کے بعد سورج گرہن لگے گا ' اتنے بجے لگے گا ' اتنا زیادہ ہو گا ' اتنے وقت تک کے لیے رہے گا ' فلاں جگہ نظر آئے گا ' فلاں جگہ نظر نہیں آئے گا۔ وہ سو برس پیشتر ' ہزار برس پیشتر بھی یہ چیز کہہ سکتے ہیں اور وہ حرفاً حرفاً صحیح ہوتا ہے۔ یہ چیز تو میں نے علم الافلاک کے متعلق کہی ہے کیونکہ کائنات کے اندر تو قانون ہے ' ہر قانون کے متعلق یہ چیز ہے کہ جس کو یہ قانون واقعی صحیح طور پر معلوم ہے اور اس کی Application (اطلاق) صحیح طور پہ ہو رہی ہے ' وہ اس سے پہلے Definitely (یقینی طور پر) کہہ سکتا ہے کہ اتنے عرصے کے بعد یہ چیز ہو گی۔ ایسی دوائیاں موجود ہیں ' جن کے نتائج کے متعلق کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ دوائی دی ہے ' آدھا گھنٹہ انتظار کیجیے ' اس کے بعد یہ ہو کر رہے گا۔ قانون تو کہتے ہی اس کو ہیں۔

کسی صاحبِ اختیار پر غیب کا علم لاگو نہیں ہوتا

قانون تو کہتے ہی اس کو ہیں۔ اس سے سو سو برس پہلے کی یہ بات کہی جا سکتی ہے لیکن ایک نقشہ سامنے لائیے۔ یہی سائنٹسٹ ' یہی علم الافلاک کے پانچ دس بیس ماہرین ' ایک میز پہ بیٹھے ہیں۔ حساب کی رو سے بتا رہے ہیں کہ سورج کو سو برس کے بعد گرہن لگے گا ' یہ اس مقام پہ ہو گا ' یہ اس مقام پہ نہیں ہو گا۔ اسی میز کے اوپر ایک مکھی بیٹھی ہوئی ہے ' یہ بیس کے بیس سائنٹسٹ یہ نہیں بتا سکتے کہ مکھی یہاں سے اڑ کر کہاں جا کر بیٹھے گی۔ جو جی میں آئے کر کے دیکھ لیں۔ یہ نہیں بتا سکتے۔ یہ کیا ہوا؟ یہ جن کے متعلق انہوں نے حساب کا قاعدہ لگایا تھا ' وہ صاحبِ اختیار نہیں ' وہ مشین کی طرح مجبور ہیں۔ مشین کے پرزوں کا علم آپ حاصل کر لیجیے ' اس میں مشین مداخلت نہیں کرتی۔ یہ مکھی مشین کے مقابلے میں کچھ ذرا سی صاحبِ اختیار واقع ہوئی ہے۔ اگرچہ اس کو بھی اختیار تو نہیں کہا جا سکتا لیکن بہر حال مشین اور انسان کے درمیان اُسے ایک درجہ تو دیا جا سکتا ہے۔ وہ اپنی مرضی سے اُٹھ کر کہیں بیٹھتی ہے ' آپ اس کے متعلق پیشین گوئی نہیں کر سکتے ' اس غیب کے متعلق آپ نہیں بتا سکتے اور عزیزانِ من! اس کے مقابلے میں اگر انسان ہو تو کیا اس انسان کے متعلق ' جو صاحب اختیار و ارادہ ہے کوئی سائنٹسٹ ' کوئی دنیا کا علم رکھنے والا

Future(مستقبل) کی کوئی پیشین گوئی کر سکتا ہے؟ دوسرا تو ایک طرف رہا انسان خود اپنے متعلق بھی نہیں کہہ سکتا کہ کل مجھ پہ کیا بیتے گی حالانکہ اس کے اتنے اختیارات ہیں اور ان اختیارات کے گرد اتنے اور عناصر گھومتے ہیں۔ اس میں بھی اس کی یہ کیفیت ہوتی ہے۔

علم غیب کے سلسلہ میں انسانی دنیا کے متعلق کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا

عزیزانِ من! جب انسان کا اپنا اختیار درمیان میں آئے تو کوئی دوسرا انسان اس کے متعلق نہیں کہہ سکتا کہ کل یہ کیا کرے گا۔ انسانی دنیا کے متعلق قبل از وقت کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ دیکھیے قرآن نے یہ جو دو قسم کے غیب ہیں' ان میں کس طرح سے فرق کر کے بتایا ہے۔ ایک غیب تو وہ ہے جو اس کائنات کے Laws of Nature یا قوانین فطرت سے متعلق ہے۔ اس کے متعلق قرآن نے کہیں نہیں کہا کہ یہ غیب صرف ہم ہی جانتے ہیں' کوئی اور نہیں جان سکتا۔ وہ تو عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا (2:31) ہے۔ انسان کو ان کا پورا پورا علم دے دیا گیا ہے۔ جونہی کوئی علم حاصل کر لے گا' اُس کے بعد اُس کو پتہ چل جائے گا کہ اس کا نتیجہ کیا نکلنا ہے لیکن جہاں کوئی صاحبِ اختیار سامنے آئے گا تو اس کے متعلق کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ کل کو کیا کرے گا۔ یہ وہ دوسری قسم کا غیب ہے۔

کوئی شخص یہ نہیں جان سکتا کہ اس کی موت کہاں ہو گی

اس دوسرے غیب کے متعلق قرآن نے کہا ہے کہ کوئی انسان یہ نہیں جان سکتا۔ قرآن کہتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ (31:34)۔ میں اس ساعت کے متعلق ابھی کچھ نہیں کہنا چاہتا۔ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ (31:34) بارش برساتا ہے' رحم مادر کے اندر جو جنین ہے اس کے متعلق بھی وہ علم رکھتا ہے۔ دیکھیے! ان دونوں کے متعلق یہ نہیں کہا کہ کوئی اور اس کا علم نہیں رکھ سکتا' کوئی یہ جان نہیں سکتا۔ ان کا تعلق فطرت کے قوانین سے ہے۔ آگے سنیے۔ کہا ہے وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (31:34) کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ کل وہ کیا کرے گا' کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ کس سرزمین میں اس کی موت واقع ہو گی۔ یہاں مَا تَدْرِيْ آیا ہے۔ یہ وہ غیب ہے کہ جو صاحبِ اختیار کے متعلق یہ چیزیں آ گئی ہیں۔ ان کے متعلق کوئی پیش گوئی نہیں کی جا سکتی' کوئی نفس' کوئی شخص' کوئی انسان' غور کیجیے گا' برادرانِ عزیز! آگے بات بڑی اہم آئے گی' ہمارے لیے اس کا جو نتیجہ نکلے گا اہم ہو گا' آدمی کے Future(مستقبل) کے متعلق کوئی نہیں بتا سکتا۔ یہ اپنا Future(مستقبل) اپنے حساب سے خود مرتب کرتا ہے' اس کے ہاتھ کی لکیروں کے اندر پہلے سے مرتب شدہ نہیں ہوتا۔ فطرت نے اس کی لوحِ جبیں خالی رکھی ہے' اس کے اوپر کچھ لکھ کر نہیں بھیجا گیا' یہ اپنے قلم سے اس کے اوپر آپ لکھتا ہے' جو اس نے لکھنا ہوتا ہے' اس لیے کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ یہ اس کے اوپر کیا لکھے گا' کوئی انسان یہ نہیں جانتا کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (31:34) یہ وہی جانتا ہے جو علیم ہے' خبیر ہے' جس کے نزدیک Future(مستقبل) کچھ شے نہیں ہے' یہ ماضی حال اور مستقبل انسان کے محدود ذہن سے' وقت کے گزپہ گرہیں لگی ہوئی ہیں' خدا کے نزدیک کوئی چیز Future (مستقبل) کی نہیں ہوتی' اس کے نزدیک سب چیز حال ہے' اس لیے وہ تو علیم و خبیر ہے۔ کوئی انسان کسی کے متعلق نہیں کہہ سکتا کہ وہ کل کیا کرے گا' کس حالت میں اس کی موت واقع ہو گی۔ کوئی یہ نہیں جان سکتا۔

انسان کے مستقبل کے متعلق کوئی کچھ نہیں بتا سکتا

یہ وہ زعم ہے جس کے متعلق کہا ہے کہ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (27:65) اس ارض و سموات میں کوئی نہیں ہے' جو اس الغیب کو جانتا ہو سوائے خدا کے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ کس سادگی سے نفی کی ہے اور نفی کرنی چاہیے۔ صاحبِ اختیار انسان کے متعلق فیوچر (مستقبل) کا کوئی بتا ہی نہیں سکتا۔ خدا

کے سوا کوئی اس بات کو نہیں جانتا حتیٰ کہ انبیائے کرام کے متعلق بھی یہ کہا ہے کہ اس میں سے جتنا حصہ خدا اُن کو وحی کے ذریعے بتادے' اتنا تو وہ جان سکتے ہیں۔ وحی کے ذریعے کچھ غیب کی باتیں بتانے کے بعد قرآن نے نبی اکرم ﷺ سے کہا کہ ذٰلِکَ مِنۡ اَنۡۢبَآءِ الۡغَیۡبِ نُوۡحِیۡہِ اِلَیۡکَ(3:44) یہ غیب کی وہ کچھ خبریں ہیں' جو ہم نے تجھے وحی کے ذریعے بتائیں۔ ٹھیک ہے خدا تو علیم و خبیر ہے' اسے معلوم ہے' وہ اپنے علم کو تم میں سے کسی انسان کو اس طرح وحی کے ذریعے دیتا ہے' وہ صرف صاحبِ وحی ہوتا ہے جس کو خدا یہ دیتا ہے اور اتنا ہی دیتا ہے' جتنا اُس نے دینا ہوتا ہے اُس کو اتنا ہی اس کا علم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ نبی خود اس کا اعتراف اور اعلان کرتا ہے کہ وَلَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ(11:31) میں غیب نہیں جانتا۔ وہ تو قرآن میں کچھ چیزیں آئی ہیں وہ میرے علم کا نتیجہ نہیں ہیں' وہ تو وحی نے مجھے بتائیں اور قرآن میں وہ آگئیں' میں نے تمہیں بتادیا لَاۤ اَعۡلَمُ الۡغَیۡبَ(11:31) میں بھی نہیں جانتا تمہارے فیوچر (مستقبل) کے متعلق' اپنے فیوچر (مستقبل) کے متعلق بھی میں نہیں جانتا۔ یہاں سے یہ چیز ہوئی کہ انسانوں کے مستقبل کے متعلق خدا کے علاوہ کوئی کچھ نہیں جانتا۔ کوئی ذرا سا اپنا علم اگر خدا کسی کو دیتا تھا تو وہ رسول کو وحی کے ذریعے دیتا تھا' رسول خود اپنی ذاتی حیثیت کے اندر بھی غیب کا علم نہیں رکھتا تھا۔

قرآنِ حکیم کے مطابق پیش گوئیاں کرنے والوں کی کوئی اہمیت نہیں

عزیزانِ من! آپ سوچیے کہ یہ جو ہمارے ہاں اب آئے دن دعوے ہوتے رہتے ہیں اور یہ دعوے ہوتے چلے آرہے ہیں' یہ پیشین گوئیاں ہیں۔ بزرگوں سے بھی تو آپ کے ہاں یہی کچھ ہوتا ہے' وہ آپ کے مستقبل کے متعلق یہ باتیں بتاتے ہیں۔ دیکھیے! قرآن کے ماننے والوں کے لیے یہ عقیدہ کیا ہے؟ وہ کہتا ہے کہ خدا کے علاوہ کوئی شخص مستقبل کے بارے میں نہیں جانتا۔ خدا اپنے علم ہی سے کسی کو جو دیتا تھا' اُسے رسول کہتے تھے' وہ وحی کے ذریعے دیتا تھا لہٰذا اگر کوئی شخص اس کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ میں انسانی زندگی کے مستقبل کے متعلق' سائنس کی رو سے نہیں بلکہ انسانی زندگی کے مستقبل کے متعلق کوئی چیز کہہ سکتا ہوں' پیشین گوئی کرتا ہوں' تو یا تو وہ دعویٰ وحی کرے گا' وہ رسول کا دعویٰ کرے گا اور اگر یہ دعویٰ نہیں ہے تو پھر یہ چیز غلط ہے' قرآن کی رو سے غیر از نبی کے لیے وحی کے علاوہ کسی چیز کے متعلق پیشین گوئی کر دینا ممکن ہی نہیں۔ میں یہ انسانی زندگی کے متعلق کہہ رہا ہوں۔ سائنس کی لیبارٹری میں بات کچھ اور ہے۔

نجومیوں کو ہاتھ دکھانا دراصل مایوسی کی انتہا ہے

آپ نے غور فرمایا کہ اپنے مقام سے ہلا ہوا ذرا سا عقیدہ کہاں سے کہاں لے جاتا ہے اور یہ تو ہم پرستیاں نہیں' یہ وہاں راولی روڈ کے فٹ پاتھ پہ بیٹھے ہوئے' وہ جو نجومی ہوتے ہیں' ان سے جا کر ہم ہاتھ دکھاتے ہیں اور قسمتیں معلوم کرتے ہیں' وہ تو انسان کی مایوسی کے آخری سہارے ہیں' جن کو ہم توہم پرستی کہتے ہیں۔ ان کے پاس وہ ہاتھ دکھانے کو نہیں جاتا' جو اپنے ہاتھ سے اپنے کام کر لیتا ہے۔ جاتا وہ ہے جس کا کام رک گیا ہوا ہوتا ہے۔ یہ مایوسی کے سہارے ہیں۔ کوئی انسان کسی انسان کے متعلق فیوچر (مستقبل) کی کوئی بات نہیں بتا سکتا' نہیں سمجھ سکتا' نہیں جان سکتا۔ اگر کوئی دعویٰ کرتا ہے تو وہ وحی کا دعویٰ ہوگا اور خدا نے یہ کہا ہے کہ ہم رسول کو صرف وحی دیتے تھے۔ آج جو یہ کہتا ہے وہ دعویٰ نبوت ہوگا' وہ دعویٰ رسالت ہوگا۔

پیشین گوئی کرنے کا دعویٰ نبوت کی مہر کو توڑنے کے مترادف ہے

اگر کوئی شخص یہ مانتا ہے کہ فلاں حضرت صاحب میرے متعلق اس قسم کی پیشین گوئی کر سکتے ہیں تو یاد رکھیے! وہ اُن کو صاحبِ وحی مانتا ہے' وہ اُن کو نبی و رسول مانتا ہے۔ اس کے بعد ختمِ نبوت ٹوٹ جاتی ہے اور اگر یہ بات نہیں ہے تو پھر یاد رکھیے گا' قرآن کی رو سے یہ دعویٰ خدا کے لیے Challenge ہے' خدا کہتا ہے تم نہیں

جان سکتے۔ وہ کہتا ہے میں جانتا ہوں' بتا سکتا ہوں۔ لہٰذا غیب کے متعلق یہ جو اس قسم کی باتیں کرتا ہیں' قرآن نے ان کو رَجْمًا بِالْغَيْبِ(18:22) کہا ہے۔ یہ اندھیرے میں تیر تکا چلاتے رہتے ہیں۔ یہ سب تیر تکے ہیں۔ کیا بات ہے قرآن کی! وہ کہتا ہے کہ توہم پرستی کی بنیاد اس پہ ہے کہ اتفاقات سے کچھ اس قسم کے بعض تکے بھی لگ جاتے ہیں۔ یاد رکھیے' عزیزانِ من! یہ جتنی بڑی بڑی مسندیں ہیں اور یہ جتنے' کرامات اور پیشین گوئیوں کے دعوے ہیں' یہ محض Chances (اتفاقات) کی بنا پر ہیں۔ یہاں اتفاق سے کوئی چیز ٹھیک ہوئی تو وہ جو پہلا یقین تھا' اس کی گرہ مضبوط ہو گئی۔ نہ ہونے والی جو باتیں ہیں ان کے متعلق تو کہتے ہیں کہ "وہ تو تقدیر میں ہی ایسا لکھا ہے" وہ تو تقدیر ہوئی" ہونے والی بات تقدیر کی رو سے ٹھیک ہوئی ہو اور حضرت صاحب نے بتا دی تھی" اور پھر تو ایسے ایسے حضرت صاحب بھی ہیں' جو تقدیروں کو بدلتے ہیں ان کا کیا کہنا! ان سے تو خدا بھی پیچھے رہ جاتا ہے۔ تقدیر تو خدا کی مقرر کردہ ہوتی ہے۔ بہر حال یہ دوسری لائن آ گئی۔ آگے جب ہم اس تقدیر پہ آئیں گے تو وہاں میں عرض کروں گا کہ قرآن کی رو سے تقدیر کیا ہے۔ یہاں میں اس وقت صرف غیب کے متعلق عرض کر رہا ہوں۔

علمِ غیب کے متعلق ایک شرط: صراطِ مستقیم کی خصوصیات کو سمجھتے ہوئے منزلِ مقصود کا تعین

فرمایا ہے کہ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ(2:3) یہ ان کے لیے رہنمائی ہے جو راستہ چلنا چاہیں' اُن کی پہلی شرط منزل کا تعین ہے۔ مثلاً یہ کہ میں نے اسٹیشن پہ فلاں مقام پہ پہنچنا ہے' کس راستے سے چلوں؟ یہ تعینِ منزل دوسری شرط ہے۔ یہ آوارگی نہ ہو۔ تیسرے یہ ہو کہ وہ چاہے کہ راستہ سیدھا ہو' ہموار ہو' پیچ و خم نہ ہوں' خطرات نہ ہوں۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان چیزوں کی صداقتوں پر یقین رکھے' جو ابھی مشہود ہو کر اس کے سامنے نہیں آئیں لیکن علم و بصیرت اور فکر کی رو سے سمجھی جا سکتی ہیں کہ بات یہ ہے۔ اَن دیکھے راستے کے متعلق بھی اگر سمجھانے والا صاحبِ فکر ہو' سمجھنے والا علم رکھتا ہو' تو اَن دیکھے راستے کے متعلق بھی اس طرح سے بات سمجھائی جا سکتی ہے اور سمجھ میں آ سکتی ہے' فکری طور پہ یقین ہو جاتا ہے کہ بات ٹھیک کہتا ہے۔ یہ ہے: يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ(2:3) اور اس مقام پہ جیسا میں نے عرض کیا ہے چونکہ یہ ابتدا ہوئی ہے اور اس سے آگے ایک نظام قائم کرانا ہے' قرآنِ کریم نے ان لوگوں سے کہا ہے کہ یہ وہ Pioneers (السابقون الاوّلون) ہیں' جو اس نظامِ خداوندی کے اَن دیکھے خوشگوار نتائج پر یقین رکھ کر اس وقت اٹھتے ہیں' جب ساری دنیا یہ کہتی ہے کہ یہ صرف ایک ہی جماعت ہے' یہ مجنون ہیں۔ یہ اٹھتے ہیں' دنیا ان پر ہنستی ہے۔ قرآن میں ایک جگہ آیا ہے کہ ان سے کہو کہ آج تم ہم پہ ہنستے ہو' کل تم دیکھنا کہ تم پہ ساری دنیا ہنسے گی۔

قوم کے اندر Pioneers (السابقون الاوّلون) پیدا کیے بغیر جہانِ نو کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں ہو سکتا

عزیزانِ من! جب تک کسی قوم کے اندر یہ Pioneers (السابقون الاولون) پیدا نہیں ہوتے' جو اس وقت اس نظام کو لے کر اُٹھیں جب ساری دنیا اُن کو پاگل کہے' اور کہے کہ یہ نظام قائم نہیں ہو سکتا اور جب یہ قائم ہی نہیں ہو سکتا تو اس کے درخشندہ نتائج سے دنیا اس کی طرف آ کیسے سکتی ہے۔ قرآن کی صداقتوں کو دنیا کو منوانے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہی طریقہ ہے جو چودہ سو سال پیشتر مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ(49:29) نے اختیار کر کے بتایا۔ یہ بڑی کوہ کنی کی منزل ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ السَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ کے اعلیٰ مدارج قرآن نے بتائے ہیں۔ عزیزانِ من! جب وہ گندم ایک سو بیس من فی ایکڑ دینا شروع کر دے اُس کے بعد تو پھر ہر کسان اسے بوتا ہے۔ مدارج انہی کے ہیں جنہوں نے یہ نتائج ابھی دیکھے نہیں تھے لیکن اس طرح سے اُن کو یقین آ گیا تھا۔ ساری دنیا اُن سے کہتی تھی کہ پاگل ہو گئے ہو اور اُس کے باوجود وہ اپنی دھن کے پکے تھے' اس میں لگے چلے جا رہے تھے۔

نوعِ انسانی کی منفعت سازی کے لیے السابقون الاوّلون کمالِ جنون کے ملکہ سے ہر آن سرشار ہوتے ہیں

یاد رکھیے یہ خالص جذباتی چیز نہیں تھی' جنون ہم نے اس لیے کہہ دیا کہ یہ Relative Term (اضافی اصطلاح) ہے' باقی دنیا اپنے معیار کے مطابق ان کو یہ کہتی تھی کہ اُن کو اپنے نفع و نقصان کا بھی پتہ نہیں ہے۔ دنیا میں یہ سب سے زیادہ عقل و ہوش کے مالک تھے۔ قرآن ان کو اُولِی الْاَلْبَابِ کہتا ہے۔ مومن کو کہتا ہے کہ یہ اُولِی الْاَلْبَابِ ہوتے ہی یہی ہیں۔ ایک تو عقل ہوتی ہے' یہ جو الباب ہے یہ لب لباب تو آپ نے سمجھ لیا ہوا ہے "او عقل داتت کڈیا ہویا ہوندا اے۔" ☆(2) یہ ہیں وہ لوگ جن کو وہ السابقون الاوّلون کہتا ہے۔ یہ جذباتیت کی بات نہیں ہے۔ یہ ہے وہ چیز جسے اقبالؒ (1877-1938ء) نے کہا ہے:

یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ جنوں ☆(3)

غور و فکر کی انتہا کے بعد عمل کے میدان میں اس طرح سے آنا جیسے کہ دیوانہ عمل کے میدان میں آتا ہے۔ ان کا ہر عمل عقل و خرد کی انتہائی غور و فکر کا نتیجہ ہوتا ہے ' یہ جذبات کے تابع نہیں چلتے ہیں۔ خالی جذبات کے اوپر آدمی اٹھے تو وہ قرآن کی رو سے ایمان ہی نہیں کہلاتا اور جو جذبات پہ اٹھے ہوئے ہوتے ہیں' ان کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہوتا ہے' جذبات ہی تو ہیں جو ہر آن بدلتے رہتے ہیں۔ یہ تو کامل عقل و فکر کے بعد کسی نتیجے پہ پہنچا ہوا انسان ہے جو پھر وہاں سے ہل نہیں سکتا' اس ایمان کو کوئی ہلا نہیں سکتا۔ اس لیے یہ بھی سمجھیے کہ میں نے اگر چار دفعہ لفظ جنوں کہہ دیا تو اس میں آپ وہ دیوانگی نہ لے لیں جو خالص جذبات کی پیدا کردہ ہوتی ہے۔ یہ کہیے کہ وہ

فرزانہ بہ گفتارے دیوانہ بہ کردارے

سمجھ اور سوچ کی دنیا کے اندر بلند تریں ہوش میں پھر جب کام کرنے پہ اتر آئیں پھر وہ دیوانوں کی طرح کام کرتے ہیں۔ یہ ہوتے ہیں السابقون الاولون۔

حصولِ منزل کے لیے السابقون الاولون کے عملی پروگرام کا طریق اور صلوٰۃ کا مفہوم

برادرانِ عزیز! یہ ہیں وہ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ (2:3) جو پھر اس نظام کے ان دیکھے نتائج پر ایمان لا کر اس راستے پر چل نکلتے ہیں۔ وہ کرتے کیا ہیں؟ اب آگے وہ نظام آئے گا' جس کے قائم کرنے کے لیے یہ شرطیں ضروری ہیں۔ وہ نظام ہے وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (2:3) ۔ آپ انہی الفاظ کو لکھا ہوا پائیں گے کہ صلوٰۃ قائم کرو۔ صلوٰۃ بھی وہ لفظ ہے جو آہستہ آہستہ ختم ہوا ہے' اس کی جگہ نماز ہوئی کہ "نماز قائم کرو' یہ چیز ہمارے ہاں آئی۔ نماز ہمارے ہاں ایک موجود و مشہود چیز ہے' وہ ہم میں سے ہر ایک جانتا ہے۔ نماز عربی زبان کا لفظ ہی نہیں ہے' یہ پرانی فارسی کا ہے' جسے پہلوی زبان کہتے ہیں۔ یہ اس زبان کا لفظ ہے اور مجوسیوں کے ہاں رائج تھا' وہ اپنی عبادت کو نماز کہتے تھے۔ آج بھی یہ جو پارسی ہیں' وہ اپنی عبادت کو نماز کہتے ہیں۔ یہ ان کی زبان کا لفظ ہے۔ بہر حال لفظ سے کوئی بحث نہیں ہے' اگر یہ صحیح مفہوم کا آئینہ دار ہو تو لفظ کا کیا ہے۔

غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گُہر سے! ☆(4)

لیکن اگر اندر گوہر ہی نہ رہے تو پھر تو وہ صدف بیکار ہو جاتی ہے۔ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ (2:3) میں اقامۃ ہے۔ قامۃ کے متعلق اس سے پیشتر کہہ چکا ہوں۔ جب مستقیم کا لفظ آیا تھا' اسے دہرانے کی ضرورت نہیں۔ قائم کرنا کسی چیز کا' یہ تو آپ سمجھتے ہیں' Establish کرنا' تاکہ اس کو تمکن حاصل ہو' وہ قرار گیر ہو جائے۔ کوئی ایسی چیز ہے جس کو Establish کرنا ہے' مستحکم کرنا ہے' الصلوٰۃ کو متمکن کرنا ہے۔ میں نے پہلے درس میں یہ کہا تھا کہ جب یہ چیزیں آئیں گی تو اس میں جلد بازی سے کام

نہ لیجیے گا۔ نماز پہ میں آؤں گا' نماز کی اہمیت بھی بتاؤں گا' یہ بھی بتاؤں گا کہ یہ ایک فریضہ ہے لیکن اس سے پیشتر ایک بات سن لیجیے!

صلوٰۃ کے پروگرام کو قرآنی اصولوں کے مطابق مرتب کرنا اور تشکیل دینا ہوتا ہے

صلوٰۃ صرف نماز ہی نہیں' صلوٰۃ اس سے بہت وسیع چیز ہے' اس کے ایک گوشے کے اندر یہ نماز بھی آجاتی ہے۔ صلوٰۃ مومن کی پوری زندگی کا پورا پروگرام ہے' یہ صرف مسجد کے اندر محدود نہیں' یہ زندگی کے ہر شعبے میں' ہر سانس کے اندر ہے یعنی مومن کی زندگی کا پروگرام ہے۔ ایک پروگرام تو وہ ہے' جسے ہم خود متعین کرتے ہیں' ایک پروگرام وہ ہے جو ہم خدا کے بتائے ہوئے اصولوں کے مطابق مرتب کرتے ہیں' اُسے "الصلوٰۃ" کہتے ہیں۔ یہ بڑے غور سے سننے کی بات ہے' اس لیے کہ اب یہ چیز ہمارے ذہنوں میں موجود ہے جو مروّج ہے۔ یہ جو اس سے ہٹی ہوئی چیز ہے جو میں کہہ رہا ہوں' اس لیے غور سے سننے کی چیز ہے۔ تفصیل طلب اس لیے ہے کہ سارا قرآن اس سے بھرا پڑا ہے۔ قرآن کی بنیادی دو ہی تو Terms (اصطلاحات) ہیں: اقامت صلوٰۃ اور ایتائے زکوٰۃ۔ ان کا مفہوم آج یہ صلوٰۃ ہے' صرف یہ پانچ وقت کے لیے جو آپ مسجد میں جتنا کچھ کر لیتے ہیں اور زکوٰۃ صرف وہ ہے جو سال کے بعد آپ اڑھائی فیصد نکال کر دے دیتے ہیں۔ یہ مذہب کی دنیا کی چیز ہے' دین کی دنیا میں یہ چیزیں ان کے اندر آتو جاتی ہیں لیکن وہ ساری یہی نہیں ہیں' وہ اس سے زیادہ پھیلی ہوئی چیز ہے۔

قرآنِ حکیم کے نزدیک صلوٰۃ کا ایک وسیع مفہوم ہے

پہلے صلوٰۃ کو لیجیے' پھر اس کے بعد جب زکوٰۃ آئے گی تو وہاں بھی ہم بتائیں گے کہ یہ کیا ہے۔ لفظ صلوٰۃ کے عربوں کی لغت کی رو سے بنیادی معنی ہیں "کسی کے پیچھے پیچھے التزاماً چلنا' تمسک سے چلنا۔" ان کے ہاں "مصلی" لفظ تھا۔ ہمارے ہاں تو مصلی بہر حال نماز پڑھنے والے کو تو خیر کبھی کہتے ہوں گے لیکن یہ ہمارے ہاں جو منٹگمری کی بار کے پہلے سے آباد لوگ تھے وہ مصلی کہلاتے تھے۔ عربوں کے ہاں مصلی کہتے تھے۔ "ریس میں اُس گھوڑے کو جو پہلے گھوڑے کے پیچھے اس طرح سے اس کو دباتا ہوا چلا جائے' کہ اس کی کنوتیاں اس کے سرین کے ساتھ ساتھ چل رہی ہوں۔ رہے تو وہ اس سے پیچھے' آگے تو نہ بڑھے لیکن دونوں میں وہ فاصلہ بھی نہ ہو' اتنا فرق تو رکھے کہ آگے نہیں بڑھ سکتا لیکن یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اُس میں اور اِس کے اندر کوئی تیسری چیز حائل ہو جائے۔" آپ کو پتہ ہے کہ آپ نے دعا مانگی تھی کہ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (1:5) اور قرآن نے کہا تھا کہ ان سے کہو اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (11:56) تم صراطِ مستقیم پہ چلنا چاہتے ہو اور رب بھی صراطِ مستقیم پر جا رہا ہے۔ پوچھا ہے کہ ہم کیا کریں؟ کہا کہ تم مصلی بن جاؤ۔ بات صاف ہو گئی۔ آگے آگے وہ جا رہا ہے' پیچھے پیچھے تم اس کا اتباع کرتے چلے جاؤ' آگے نہیں بڑھ سکتے۔ عزیزانِ من! آپ عربوں کی لغت اور قرآن کا انتخاب دیکھیے کہ ایک مصلی کے اندر کتنی قیامتیں سمٹ کر آگئی ہوئی ہیں! آگے تو بڑھ نہیں سکتے لیکن دونوں میں بُعد بھی نہیں ہو سکتا' فاصلہ بھی نہیں ہو سکتا۔ مصلی وہ ہے' برادرانِ عزیز! اب خدا تو اس طرح سے محسوس شکل میں' معاذاللہ' کسی گھوڑے پہ تو نہیں آسکتا۔ بات تو ان کے ہاں مشہود سمجھائی جاتی تھی۔ یہ کیا ہوا؟ مصلی وہ ہیں جو زندگی کے ہر شعبے میں قوانینِ خداوندی کے ساتھ ساتھ یوں چلتے ہوئے چلے جائیں کہ اُن میں اور ان قوانینِ خداوندی میں کوئی بُعد پیدا نہ ہو' فاصلہ نہ ہو' کسی قسم کی مغائرت نہ ہو۔ کہیے کہ یہ چیز زندگی کے ہر سانس کے ساتھ کرنے کی ہے یا خاص وقتوں کے اوپر کرنے کی ہے' باقی وقتوں کے اوپر یہ نہیں۔ اگر پانچ منٹ کے لیے وہ گھوڑا ساتھ ہو اور پھر اس کے بعد تین گھنٹے کے لیے "کھرلی" پہ بندھا ہوا ہو' وہ تو مصلی نہیں کہلائے گا' اسے عرب مصلی نہیں کہے گا' صاحب! اسلام تو ایک طرف رہا اور جب اس چیز کو الصلوٰۃ کہا ہے کہ قوانینِ خداوندی کا اس طرح سے اتباع ہو تو اس کے لیے کہا: یقیمون الصلوٰۃ' یہ نظامِ زندگی ہے اسے Establish (قائم) کیا جائے گا۔ یاد رکھیے! اس نظام کو ایسے قائم کیا جائے گا۔ اب یہ انفرادی چیز نہ رہی کیونکہ یہاں تو صیغہ ہی جمع کا ہے' فرد تو نظام قائم ہی نہیں کر سکتا۔ یہ ہوا کیا؟ اس کے معنی ہوئے "وہ معاشرہ جو قوانین خداوندی اور اس کی دی

ہوئی مستقل اقدار کے مطابق Establish (قائم) ہو۔" اس کے لیے آپ کو ضرورت تھی' اس نظام کے اُن نتائج پہ یقین رکھنے کی' جو ابھی سامنے نہیں آئے' لیکن آئیں گے۔ یہ کتاب ہے راستہ دکھانے والی اُس جماعت کو جو اس عزم کو لے کر اٹھے کہ ہم نے موجودہ معاشرے کی جگہ وہ معاشرہ قائم کرنا ہے' جس میں قوانینِ خداوندی رائج اور نافذ ہوں' جس میں ہر فرد اُن قوانین کے پیچھے خود بخود چلتا جائے۔ آج تو اگر آپ اس قانون کی ایک شق کے مطابق چلیں تو راستہ میں بیسیوں رکاوٹیں آتی ہیں' کوئی چلنے ہی نہیں دیتا لیکن اگر ایسا معاشرہ قائم ہو جس میں اس انتظام اور اہتمام سے اُس کے پیچھے چلا جائے تو آپ کے راستے میں کوئی رکاوٹ ہی باقی نہ رہے۔ یہ ہے اقامت صلوٰۃ۔

قرآنِ حکیم میں صلوٰۃ کے لفظ کا استعمال اور اس کا مفہوم

برادرانِ عزیز! یہ تمہیدی بات ہوئی اور ہمارا انداز تو یہ ہے کہ ہم تو قرآن سے ہر چیز کو لیتے ہیں' لینا ہی چاہیے' ہمارے لیے تو یہی نشانِ راہ ہے' یہی ضابطۂ زندگی ہے' یہی ہدایت ہے۔ سنیے! صلوٰۃ کا لفظ کہاں آتا ہے؟ اس کے معنی ہوئے "خدا کے مقرر کردہ قانون کے مطابق زندگی کے فرائض ادا کرنا" وہ منصبی فرائضِ حیات جو خدا کے قانون نے مقرر کیے ہوئے ہیں"۔ یوں بات ہوئی ہے۔ دیکھیے! قرآن کہاں یہ لفظ استعمال کرتا ہے اور کس طرح وہ لفظ کھل کر پکارتا ہے کہ یہی معنی ہو سکتے ہیں جو ہم نے لیے ہیں۔ اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُسَبِّحُ لَہٗ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (24:41) اور یہاں تو وہ یُسَبِّحُوۡنَ "تسبیح" کا لفظ آ گیا۔

تسبیح کے قرآنی مفہوم کی وضاحت کے لیے شہد کی مکھی کی مثال

ذرا آگے چل کر "تسبیح" آئے گی تو میں عرض کروں گا کہ یہ تسبیح کیا ہے۔ (24:41) میں کہا ہے کہ کیا تم نے اس پہ غور کیا؟ پہلی چیز تو یہ ہے کہ یہ غور کرنے کی چیز ہے کہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں جو کچھ بھی ہے' وہ خدا کی تسبیح کر رہا ہے۔ میں نے عرض کیا ہے کہ اگر میں تسبیح پر آ جاؤں گا تو صلوٰۃ کے معنی و مفہوم بیان کرنے سے دور چلا جاؤں گا' ذرا آگے چل کر یہ لفظ آئے گا تو پھر آپ دیکھیے گا۔ اس وقت صرف اتنا ہی کہہ دوں کہ تسبیح کے معنی ہوتے ہیں "کسی مقصد کے حصول کے لیے پوری پوری جدوجہد کرتے چلے جانا۔" تسبیح کہتے ہیں "گھوڑے کی اُس چال کو جس میں وہ دونوں پاؤں یوں اُٹھا کر لگایا کرتا ہے کہ وہ پوری توانائیوں سے' جس قدر وسعت اس کے اندر ہوتی ہے' اتنی لمبائی سے وہ پاؤں پھیلا کے دوڑتا ہے' اس کے لیے عرب لفظ تسبیح کا لیتے ہیں۔ "کائنات کے اندر جتنی چیزیں ہیں' وہ اپنے فرائض منصبی کے حصول کے لیے اس طرح پوری توانائیاں صرف کیے چلی جاتی ہیں۔ ایک شہد کی مکھی کو کسی سوئی کے ذرے کا سواں حصہ' ذرا سا اس کا جو وہ نچوڑ ہوتا ہے' لے کر اپنے چھتے میں پھر واپس آنے کے لیے' ایک دن میں سینتیس ہزار میل فاصلہ طے کرنا پڑتا ہے۔ یہ تسبیح ہے اور جس رفتار سے وہ اڑ رہی ہوتی ہے وہ تو آپ جانتے ہیں۔ یہ بات آگے چل کر سورۃ النحل میں آئے گی' ابھی تو یہاں اتنا ہی کہہ کر گزر جاتا ہوں۔ قرآن نے کہا ہے کہ کُلٌّ قَدۡ عَلِمَ (24:41) ان میں سے کائنات کی ہر شے کُلٌّ ہر شے' قَدۡ یقینی بات ہے' یہ عَلِمَ جانتی ہے۔ کس چیز کو؟ صَلَاتَہٗ وَتَسۡبِیۡحَہٗ (24:41) کائنات کی ہر شے اپنی اپنی صلاۃ اور تسبیح کو جانتی ہے۔ غور فرما رہے ہیں' عزیزانِ من! یہاں بھی تو صلوٰۃ کا ترجمہ نماز کیجیے تسبیح کا ترجمہ وہ تسبیح جو ہم پھیرتے ہیں' پھر دیکھیے کہ کیا مطلب و مفہوم نکلا!! میں نے عرض کیا کہ وہ چیز آئے گی جسے میں نماز کہہ رہا ہوں' اسی کے آخر میں آئے گی لیکن یہاں میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ آپ سوچیے کہ کُلٌّ قَدۡ عَلِمَ صَلَاتَہٗ وَتَسۡبِیۡحَہٗ (24:41) ان میں سے کائنات کی ہر شے اپنی اپنی صلوٰۃ کو' اپنی اپنی تسبیح کو جانتی ہے اور جس طرح سے وہ جانتی ہے وہ تو آپ کو معلوم ہے۔ وہ ہیں صراطِ مستقیم کے اوپر چلنے والے' وہ کبھی غلطی نہیں کرتے' اس لیے کہ وہ اپنے رب کے پیچھے پیچھے چلے جا رہے ہوتے ہیں۔ یہ ہیں مصلی' یہ اپنی صلوٰۃ کو جانتے ہیں۔ ہوا یہ کہ ان میں سے ہر شے اپنی اس منزل کو بھی جانتی ہے' جہاں اس نے پہنچنا ہے اور راستے سے بھی واقف ہے' اُس تگ و تاز سے بھی واقف ہے' اس نظام سے بھی واقف ہے'

اس پروگرام سے بھی واقف ہے جو اس نے سرانجام دینا ہے' ہر شے ان میں سے جانتی ہے' یہ سب کچھ ہے۔ صلوٰۃ کا لفظ یہاں آیا' برادرانِ عزیز! دوسری جگہ قرآنِ کریم نے انسانی زندگی کے متعلق یہ واضح کر کے بتادیا ہے کہ صلوٰۃ کیا ہے اور جب صلوٰۃ کو ضائع کر دیا جاتا ہے تو اس کے معنی کیا ہوتے ہیں۔

نظامِ صلوٰۃ کو عملاً قائم کرنے کا نتیجہ اور صلوٰۃ کو ضائع کرنے کی تباہ کاریاں

سورۃ مریم میں حضراتِ انبیائے کرامؑ کا تذکرۂ جلیلہ چلا آرہا ہے۔ یہ سارا کچھ کہنے کے بعد کہا ہے کہ یہ وہ حضرات تھے جنہوں نے اس نظام کو قائم کر کے اس کے درخشندہ نتائج سے بتادیا کہ جو ہم کہتے تھے کس قدر سچ تھا۔ پھر وہ چلے گئے تو اس کے بعد فَخَلَفَ مِنۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ (19:59) ان کے بعد انہی کے نام لینے والے پھر ایسے ناخلف پیدا ہوئے۔ کیا کیا انہوں نے؟ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ (19:59) انہوں نے صلوٰۃ کو ضائع کر دیا۔ کیا بات ہوئی؟ میں نے عرض کیا تھا کہ قرآن اپنے معانی آپ واضح کرتا ہے اور اس کا کوئی ایسا لفظ یا ترکیب نہیں ہے' جس کے اس میں معنی وہیں یا کسی دوسرے مقام پہ خود واضح نہ کیے ہوں۔ 'انہوں نے صلوٰۃ کو ضائع کیا' قرآن نے ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا کہ ہم خود فیصلہ کر لیں کہ انہوں نے نماز پڑھنا چھوڑ دیا۔ کہا ہے کہ انہوں نے 'صلوٰۃ کو ضائع کیا۔ کیا کیا انہوں نے؟ کہا کہ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ (19:59) بجائے اس کے کہ قانون خداوندی کا اتباع کرتے' وہ اپنی اپنی مفاد پرستیوں کے پیچھے لگ گئے۔ وہ جو By Contradiction (تضاد سے) میں نے کہا تھا کہ قرآن کے الفاظ کے معنی دو متضاد چیزوں کو سامنے لانے سے واضح ہوتے ہیں۔ اقامت الصلوٰۃ کے برعکس بات ''اتباع شہوات'' ہوئی۔ جونہی اپنی اپنی مفاد پرستیوں کے پیچھے لگے' صلوٰۃ ضائع ہو گئی' جونہی ہم نے اپنی اپنی مفاد پرستیوں کو چھوڑ کر قوانینِ خداوندی کا دیا ہوا جو نظام ہے' اس کے پیچھے چلے' صلوٰۃ قائم ہو گئی۔

کرۂ ارض پر انفرادی مفاد پرستی کے پیدا کردہ مسائل کا علاج صرف نظامِ صلوٰۃ میں مضمر ہے

یہ اتباعِ شہوات اور اقامت صلوٰۃ دو متضاد چیزیں ہیں اور یہی تو ساری بنیاد ہے۔ غلط بنیادوں پہ اٹھا ہوا معاشرہ ہوتا کیا ہے؟ اس میں ہر فرد اپنے اپنے مفاد کے پیچھے' ہر گروہ اپنے اپنے مفاد کے گرد' ہر پارٹی اپنے مفاد کے پیچھے اور ذرا بڑی بلند International (بین الاقوامی) سطح پہ ہر Nation (قوم) اپنے اپنے مفاد کے پیچھے ہوتی ہے اور نظامِ خداوندی وہ ہے' جس کے لیے کہا ہے کہ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ (13:17) صرف اسی چیز کی بقا کے لیے کہا ہے جو پوری انسانیت کے لیے منافع بخش ہو گی۔ بس یہ نظام قائم کیجیے' صلوٰۃ قائم ہو گئی' برادرانِ عزیز! پوری انسانیت کے لیے نفع بخش اُن کا نظام ہو گا۔ اب اس میں اتباعِ شہوات نہ رہا۔ یہ نظام قائم کیسے ہوتا ہے؟ نماز تو آپ جانتے ہیں کہ دنیا کی ہر حکومت کے ماتحت پڑھی جاتی ہے' انگریزوں کے زمانے میں بھی تھی۔ اس زمانے کی تاریخ ہی ہم بچپن میں یہ کچھ پڑھا کرتے تھے کہ

بجتا ہے فقط چرچ میں اتوار کو گھنٹہ

سنکھوں کی صدا گونجتی ہے روز برابر

حکومت نے تم کو آزادیاں دی ہیں' نماز پڑھو' تو یہ تو ہوتا تھا۔ یہ ہر نظام کے تابع پڑھی جاسکتی ہے اور اب تو اس کے لیے یہ بھی ضروری نہیں کہ کوئی چار مسلمان اکٹھے ہوں' اکیلا ہو تو وہ بھی پڑھ لیتا ہے۔ یہ آپ کی آسان ترین چیز ہے۔ کبھی کسی نے اس سے نہیں روکا لیکن آپ دیکھیے کہ قرآن صلوٰۃ کس کو کہتا ہے؟ حضرتِ موسیٰؑ طور کی چوٹیوں پہ تشریف لے گئے اور پہلی دفعہ وہاں ان سے یہ کہا گیا کہ موسیٰؑ! دیکھو اَنَا اخْتَرْتُكَ (20:13) میں نے تجھے ایک بڑے عظیم پروگرام کے

لیے چن لیا ہے' تمام نوعِ انسانی سے تجھے منتخب کیا ہے اور ایک پروگرام ہے' اس کے لیے میں نے تجھے چن لیا ہے۔ سوچیے! خدا ایک شخص کو چن رہا ہے' جسے چن رہا ہے وہ اب تک صاحبِ ضربِ کلیم کے تعارف سے متعارف ہیں۔ ایک اوالوالعزم نبی کو چن رہا ہے' کہہ رہا ہے کہ میں نے تجھے اس کام کے لیے چنا ہے۔ کام یہ ہے کہ پہلے تو یہ سمجھو کہ اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ (20:14) میں ہی ہوں' صاحبِ اقتدار۔ قرآن کا بلاغت کا انداز ہے' دیکھا ہے آپ نے یہاں اِنَّنِیْ کہا ہے یعنی "ہم"۔ عدالت کے اوپر بیٹھا ہوا جج ہمیشہ اپنے آپ کو "ہم" کہتا ہے۔ اس مقام کے اوپر "ہم" کہا ہے۔ غور کریں کیا کہا ہے۔ جہاں یہ کہا تھا کہ ان بے کس بندوں سے کہہ دیجیے کہ گھبرائیں نہیں وہاں کہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ کیا فرق کرتا چلا جا رہا ہے! کہا ہے کہ اَنَا اللّٰہُ (20:14) میں ہی ہوں صاحب اقتدار۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا (20:14) میرے سوا کوئی اور نہیں جس کی اطاعت اور محکومیت اختیار کی جائے۔ سن رہے ہیں کیا پیغامات مل رہے ہیں! کہا کہ فاعبدنی (20:14) اس لیے صرف میری محکومیت اختیار کرو' کسی اور کی محکومیت اختیار نہ کرو اور اس کے لیے کہا کہ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ (20:14) میرے شرف کو بلند کرنے کے لیے اقامت صلوۃ کا فریضہ ہے' جو تمہارے ذمے لگا رکھا ہے۔ یہ پروگرام ہے جس کو تم نے Establish (قائم) کرنا ہے' سنیے' عزیزانِ من! آگے اَقِمِ الصَّلٰوۃَ (20:14) کے بعد کہا ہے کہ اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْھَا (20:15) وہ انقلابِ عظیم اب آنے والا ہے جس کو ہم چاہتے ہیں کہ جو اس وقت تک زیرِ زمین' اندر اندر چل رہا تھا' اب وہ اُبھر کر سامنے آجائے۔ جاؤ اقامت صلوٰۃ کرو اور وہ انقلاب ابھر کر سامنے آجائے گا۔ اِذْھَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّہٗ طَغٰی (20:24) جاؤ فرعون کی طرف' اُس نے بڑی سرکشی اختیار کر رکھی ہے۔ دنیا کی سرکش قوتوں کے سامنے جا کر' اُن کے نظام کو الٹ کر اُس کی جگہ قوانین خداوندی کے نظام کا قیام ہی اقامت صلوٰۃ ہے۔ برادرانِ عزیز! غور فرما رہے ہیں' آپ کس مقام پہ قرآن صلوٰۃ کا لفظ لا رہا ہے! جی نہیں چاہتا کہ لفظ سامنے آگیا ہے تو یونہی گزر جاؤں۔ کیا بات ہے قرآن کی! یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ وہ

زفرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم

کرشمہ دامنِ دل می کشد کہ جا ایں جاست

محبوب کے تو حسن کی کیفیت یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک جہاں بھی جا کر نگاہ ٹکتی ہے' وہ وہیں پکڑ کر بیٹھ جاتی ہے کہ آگے نہ جانا' حقیقت میں یہی مقام ہے۔

قرآنی انقلاب کبھی بھی شباشب وارد نہیں ہوتا

قرآن تو یہ کہتا ہے کہ اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ اَکَادُ اُخْفِیْھَا (20:15)۔ اس ایک آیت کو ہی لیں تو برادرانِ عزیز! کتنے درس آجائیں' کیا بات کہہ گیا ہے قرآن کہ انقلابات یونہی شباشب نہیں آیا کرتے' پہلے وہ اندر ہی اندر چلتے ہیں' وہ محسوس نہیں ہوتے' پھر ایک وقت آجاتا ہے جس میں وہ مشہود شکل میں دنیا کے سامنے آتے ہیں' دنیا اس وقت انقلاب کو دیکھتی ہے' تو کہا کہ ہم بہت پہلے سے دیکھ رہے تھے اَکَادُ اُخْفِیْھَا (20:15)۔ ہم اب چاہتے یہ ہیں کہ جو غیر محسوس طور پر ہو رہا تھا' ایک محکوم قوم کے قلب کے اندر جو تلاطم خیزیاں برپا ہو رہی تھیں' ہم چاہتے ہیں کہ اب وہ ابھر کر سامنے آجائے۔

فرعون کی سلطنت میں حضرت موسیٰؑ کے پیدا کردہ انقلاب کا مرکزی کردار

جاؤ! صلوٰۃ قائم کرو۔ لِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍ م بِمَا تَسْعٰی (20:15)۔ انقلاب کیا تھا برادرانِ عزیز! کہا ہے کہ "انقلاب یہ برپا کرو کہ ہر فرد کو اس کی محنت کا صلہ مل جایا

کرے"۔ فرعونیت کیا ہے؟ دانہ ایں می کاردآں حاصل برد' سال بھر کے لیے محنت کرتا ہوا یہ مر جاتا ہے' بٹائی کوئی اور لے جاتا ہے۔ کُلُّ نَفْسٍ م بِمَا تَسْعٰی (20:15) ہر فرد کو اس کی کوشش کا صلہ مل جائے۔ دیکھتے ہیں' عزیزانِ من! قرآن! بہر حال میں تو بات یہ کہہ رہا تھا کہ ایک اوالوالعزم پیغمبر سے اقامتِ صلوٰۃ کہاں کہی گئی ہے۔ اس مقصد کے لیے چنا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ جاؤ فرعون کی طرف' بڑا سرکش ہو گیا ہے۔ وہاں جا کر اقامت صلوٰۃ کرو تا کہ وہ انقلاب جو غیر محسوس طور پر نیچے ہی نیچے چل رہا تھا' ابھر کر سامنے آجائے اور اس کا نتیجہ یہ نکلے کہ ہر فرد کو اس کی محنت کا پورا پورا صلہ مل جائے۔ یہ ہے مفہوم اقامت صلوٰۃ کا۔

حضرت شعیبؑ کی صلوٰۃ اور معاشی نظام کی اہمیت

اور آگے سن لیجیے: برادرانِ عزیز! آج بہت دھوپ ہے' اور کچھ گرمی بھی آپ احباب کو لگ رہی ہے لیکن جو بات چھڑ جاتی ہے تو پھر آخر کہنی ہوتی ہے۔ صلوٰۃ کے دائرہ کار کے متعلق میں یہ کہہ رہا تھا کہ وہ مسجد کی چار دیواری تک محدود نہیں ہے۔ حضرتِ موسیٰؑ ہی کے ہم عصر ایک اور پیغمبر حضرت شعیبؑ قوم مدین کی طرف آئے ہیں۔ قوم مدین کے متعلق قرآن نے یہ کہا ہے کہ ان کا معاشی نظام بڑا ناہموار ہو گیا تھا۔ یہ بنیادی خرابی بتائی ہے' اس قوم کی جس کی طرف پیغمبر شعیبؑ گئے تھے۔ ایسے نظر آتا ہے جس انداز سے قرآن نے بات کہی ہے کہ اس قوم نے ان کی بڑی مخالفت کی۔ انہوں نے پوچھا ہو گا کہ تم کیا چاہتے ہو' تو انہوںؑ نے کہا کہ بھئی! میں تو صرف صلوٰۃ کی اجازت چاہتا ہوں' اجازت کیا لینی' Freedom (آزادی) چاہتا ہوں' صلوٰۃ کی آزادی چاہتا ہوں۔ یہ ہمارے ہی جیسے ہوں گے۔ انہوں نے کہا کہ "کوئی چار رکعتاں پڑھ لیا کرے گا' تے کی حرج ہو جائے گا' ساڈا وگڑ کی جائے گا' سو پڑھ لیا کر' ساری رات لگا رہیا☆(5) کر۔" انہوں نے کہا کہ ہاں صاحب! کوئی حرج نہیں۔ انہوں نے صلوٰۃ شروع کی' تو قوم آکر پوچھتی ہے کہ شعیبؑ! تو نے ہم سے صلوٰۃ کی آزادی مانگی تھی' انہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ کہا کہ اَصَلٰوتُکَ تَاْمُرُکَ (11:87) کیا تیری جو صلوٰۃ ہے' وہ تمہیں اس بات کا حکم دے رہی ہے کہ اَنْ نَّتْرُکَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ (11:87) جو کچھ ہمارے اسلاف کرتے چلے آرہے تھے' ایک ایک چیز کو بھی تم غلط کہہ رہے ہو' وہ بھی چھوڑو' وہ بھی چھوڑو' یہ بھی چھوڑو' یہ سارے پرانے طریقے جو ہمارے ہاں چلے آرہے ہیں' کیا تمہاری یہ صلوٰۃ تمہیں یہ حکم دیتی ہے؟ اور تمہیں یہ کہتی ہے کہ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (11:87) ۔ ہم اپنے مال و دولت کو بھی اپنی مرضی کے مطابق خرچ نہ کریں لو بھئی!! تو بھئی! اگر یہ صلوٰۃ ہے تو نہ بابا! اس کی اجازت نہیں ہے۔" اوہناں نے کہیا سی پنڈوں باہر کڈ دیاں گے تینوں☆(6)۔"

قرآن میں یہ ہے کہ اے شعیبؑ! اس صلوٰۃ سے باز آجاؤ ورنہ گاؤں سے باہر نکال دیں گے۔ ہے ہی ایسی صلوٰۃ صاحب! کیا یہ گاؤں والے اس صلوٰۃ کو برداشت کر سکتے تھے؟ یہ تو نماز ہے جس کو سب برداشت کر لیتے ہیں' اس چیز سے بگڑ تا کیا ہے بلکہ وہ تو خوش ہوتے ہیں کہ

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے

پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے

(اقبالؒ: ارمغانِ حجاز' اردو حصہ)

"ساری ساری رات کر دیو' ایہناں نوکسے ہور کم جوگے رہن ای☆(7) نہ دیو"۔ شعیبؑ! تمہاری صلوٰۃ تمہیں یہ کہہ رہی ہے۔ عزیزانِ من! بڑا ہی غور طلب مقام ہے۔ یہاں سے پتہ چلتا ہے کہ صلوٰۃ کیا تھی؟ کہ تمہاری صلوٰۃ تمہیں یہ حکم دے رہی ہے کہ ہم اپنے مال و دولت کو بھی اپنی ہی مرضی کے مطابق خرچ نہ کریں۔ یہ

صلوٰۃ ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ نہیں بھئی! اس کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔

نماز کی اجازت تو ہر کوئی دیتا ہے البتہ صلوٰۃ کو کوئی برداشت نہیں کرتا

عزیزانِ من! مروجہ نماز تو یہ ہے جو میں نے ابھی عرض کیا تھا۔ یہ تو دنیا کی ہر حکومت میں' ہر معاشرے میں' ہر مقام پر پڑھی جاسکتی ہے۔ صلوٰۃ کے لیے خاص شرط ہے۔ شرط کیا ہے؟ پھر دہرا دوں کہ نماز تو ہم ہر محکومی کے زمانے میں پڑھ سکتے ہیں' ہر حکومت کے اندر پڑھ سکتے ہیں' ہر باطل معاشرے میں پڑھ سکتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ جو جماعت اٹھی ہے' وہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ (2:3) ہے' وہ اس نظام کو قائم کرنے والی ہے۔ جب یہ جماعت برسر اقتدار آئے گی' تو اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ (22:41) یہ وہ لوگ ہیں' جب انہیں اس زمین میں حکومت حاصل ہوگی' تمکن حاصل ہوگا تو پھر کیا کریں گے' اب اس کے بعد ذہن میں یہ آتا ہے کہ یہ بتایا ہوگا کہ یہ اتنا بڑا پروجیکٹ ہوگا' یہ Plans (منصوبے) ہوں گے' اور یہ فوج ہوگی اور یہ کچھ بھی ہوگا' جو ہمارے ذہنوں میں ہے۔ کہا ہے کہ جب ان کی اپنی حکومت قائم ہوگی تو پھر کیا کریں گے؟ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ (22:41) اقامت صلوۃ کریں گے۔

عزیزانِ من! وقت ختم ہوگیا۔ اس کے بعد اسے ہم اگلے درس میں لیں گے۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ط اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ

Re Typed by : محمد عقیل حیدرؔ

حواشی

(1)☆ یاد رہے یہ بات جون 1968ء کی 2 تاریخ کو کہی گئی تھی۔

(2)☆ وہ عقل کا نچوڑ نکالا ہوا ہوتا ہے۔

(3)☆ بتاؤں تجھ کو مسلماں کی زندگی کیا ہے — یہ ہے نہایتِ اندیشہ و کمالِ جنوں (اقبالؒ: ضربِ کلیم)

(4)☆ الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا غوّاص کو مطلب ہے صدف سے کہ گُہر سے! (اقبالؒ: ضربِ کلیم)

(5)☆ کوئی چار رکعتیں پڑھ لیا کرے گا تو ہمارا کیا حرج ہوگا' ہمارا کیا بگڑے گا' سو (کہا کہ) پڑھ لیا کرو' ساری رات لگے رہا کرو۔

(6)☆ انہوں نے کہا تھا کہ تمہیں گاؤں بدر کر دیں گے۔

(7)☆ انہیں اس کام میں تمام رات لگانے دو تاکہ یہ کسی اور کام کے ہی نہ رہیں۔